© rasailojaraid.com

مولانا قاری محمد طیبؒ

اختلافِ رائے کے آداب

کسی عالم سے فرض کیجیے کہ آپ کسی مسئلے میں مختلف ہو جائیں یا دوسرا عالم آپ سے مختلف ہو جائے تو مسئلے میں اختلاف کرنا تو جائز ہے جب اپنے کو دیانتاً علی التحقیق سمجھے لیکن بے ادبی اور تمسخر کرنا کسی حالت میں جائز نہیں ہے کیونکہ بے ادبی اور تمسخر کرنا دین کا نقصان ہے اور اختلاف کرنا محبت سے، یہ عینِ دین ہے۔ دین جائز ہے اور خلافِ دین جائز نہیں۔ اختلافِ رائے کا حق حاصل ہے حتیٰ کہ اگر ذاتی رائے اور مشورہ ہو تو انبیاء علیہم السلام سے بھی آدمی رائے میں مختلف ہو سکتا ہے۔ احکام اور اوامر کا جہاں تک تعلق ہے، اختلاف اور رائے زنی جائز نہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> ''کسی مومن اور مومنہ کے لیے جائز نہیں ہے کہ جب حکم آ جائے اللہ اور رسول کا تو پھر اس کے سامنے چوں چرا کی جائے۔''

تو جہاں تک احکامِ دین کا تعلق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ فرما دیں تو تامل بھی جائز نہیں، چہ جائیکہ قبول نہ کرے۔ لیکن اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمائیں کہ میری ذاتی رائے یہ ہے تو اگر آدمی نہ مانے تو اس پر کوئی الزام وملامت نہیں۔ اس سے اندازہ ہوا کہ اختلافِ رائے اگر اہل اللہ اور علما میں ہو جائے تو مضائقہ نہیں لیکن بے ادبی یا تذلیل کسی حالت میں جائز نہ ہوگی اس لیے کہ وہ بہرحال عالمِ دین ہے جس سے آپ اختلاف کر سکتے ہیں مگر اس کا مقام ومنصب بطور نائب رسول کے ہے، اس کی عظمت واجب ہوگی۔ ہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ پر عمل کرتے ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پچاسوں مسئلوں میں ان سے اختلاف کرتے ہیں، مگر ادنیٰ درجے کی بے ادبی قلب میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی نہیں آتی اور جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ واجب التعظیم ہیں، ویسے ہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی۔ دونوں آفتاب و ماہتاب ہیں۔ دونوں سے نور اور برکت حاصل ہو رہی ہے۔ کسی طرح جائز نہیں کہ ادنیٰ درجے کی گستاخی دل میں آ جائے۔

گستاخی جہالت کی علامت ہے

گستاخی اور استہزا کرنا جہالت کی بھی علامت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب قوم کو نصیحت کی اور فرمایا کہ فلاں مقتول زندہ ہو جائے گا اگر بقرہ (گائے) ذبح کر کے اس کا گوشت اس سے چھو دیا جائے تو اس پر بنی اسرائیل کہتے ہیں کہ: اتتخذنا هزوا؟ کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟ اس بات میں کیا تعلق ہے کہ گوشت سے مردے کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جلا دیا جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: **اعوذ باللہ ان اکون من الجاھلین**۔ ''اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ جاہلوں میں شامل ہو جاؤں۔'' یعنی دل لگی اور تمسخر جاہلوں کا کام ہے۔ عالموں کو مناسب نہیں کہ تمسخر کریں اس لیے کہ یہ ادب کے خلاف ہے۔ تو ایک ہے رائے کا اختلاف اور کسی عالم سے مسلک کا اختلاف اور ایک ہے بے ادبی۔ بے ادبی کسی حالت میں جائز نہیں، اختلاف جائز ہے۔

حضرت مولانا تھانویؒ اور مولانا احمد رضا خانؒ

میں نے مولانا تھانویؒ کو دیکھا کہ مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم سے بہت سی چیزوں میں اختلاف رکھتے تھے۔ قیام، عرس، میلاد وغیرہ مسائل میں اختلاف رہا۔ مگر جب مجلس میں ذکر آتا تو فرماتے، ''مولانا احمد رضا خان صاحب''۔ ایک دفعہ مجلس میں بیٹھنے والے شخص نے کہیں بغیر ''مولانا'' کے ''احمد رضا خان'' کہہ دیا۔ حضرت نے ڈانٹا اور خفا ہو کر فرمایا، عالم تو ہیں۔ اگر چہ اختلافِ رائے ہے، تم منصب کی بے حرمتی کرتے ہو، یہ کس طرح جائز ہے؟ رائے کا اختلاف اور چیز ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کو ہم خطا پر سمجھتے ہیں اور صحیح نہیں سمجھتے مگر ان کی توہین اور بے ادبی کرنے کا کیا مطلب؟

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مولانا'' نہ کہنے پر برا مانا۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اہلِ علم میں سے تھے۔ وہ تو نام بھی کسی کا آتا تو ادب ضروری سمجھتے تھے، چاہے بالکل معاند ہی کیوں نہ ہو، مگر ادب کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹنا چاہیے۔

کفر کا فتویٰ لگانے والوں سے مولانا نانوتویؒ کا سلوک

میں نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سنا کہ دہلی میں قیام تھا۔ حضرت کے خدام میں سے چند مخصوص تلامذہ ساتھ تھے۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ، دوسرے شاگرد مولانا احمد حسن امروہویؒ، حاجی امیر شاہ خان صاحب مرحوم، یہ بھی وہاں موجود تھے۔ مولانا احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہم جولیوں میں بیٹھ کر فرمایا کہ بھئی لال کنویں کی مسجد کے جو امام ہیں، ان کی قراءت بہت اچھی ہے۔ کل صبح کی نماز ان کے پیچھے پڑھ لیں۔ تو شیخ الہندؒ نے غصے میں آ کر فرمایا کہ تمہیں شرم نہیں آتی بے غیرت، وہ ہمارے حضرت کی تکفیر کرتا ہے، ہم اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے؟ اور بڑا سخت لہجہ اختیار کیا۔ یہ جملے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے کان میں پہنچے۔ اگلے دن حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ان سب شاگردوں کو لے کر اسی مسجد میں صبح کی نماز پڑھنے کی خاطر پہنچے، اس امام صاحب کے پیچھے جا کر نماز پڑھی، سلام پھیرا۔ چونکہ یہ اجنبی تھے، نمازیوں نے دیکھا کہ ہیں تو علما صورت تو پوچھا کون ہیں؟ معلوم ہوا کہ مولانا محمد قاسمؒ ہیں اور وہ ان کے شاگرد شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ اور یہ مولانا احمد حسن محدث امروہویؒ ان کے شاگرد ہیں۔ امام کو سخت حیرت ہوئی کہ میں رات دن ان کو کافر کہتا ہوں اور یہ نماز کے لیے میرے پاس آ گئے۔ امام نے خود بڑھ کر مصافحہ کیا اور کہا کہ حضرت، میں آپ کی تکفیر کرتا تھا، میں آج شرمندہ ہوں۔ آپ نے میرے پیچھے نماز پڑھی، حالانکہ میں آپ کو کافر کہتا رہا۔ حضرت نے فرمایا، کوئی بات نہیں، میرے دل میں آپ کے اس جذبے کی قدر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور زیادہ عزت دل میں بڑھ گئی ہے۔ کیوں؟ اس واسطے کہ آپ کو جو روایت پہنچی کہ میں توہین رسول کرتا ہوں تو آپ کی غیرتِ ایمانی کا یہی تقاضا تھا۔ ہاں البتہ شکایت اس کی ہے کہ روایت کی تحقیق کرنی چاہیے تھی۔ فرمایا کہ میرے دل میں آپ کی غیرتِ ایمانی کی قدر ہے، ہاں شکایت اس لیے ہے کہ ایک بار تحقیق کر لیتے کہ خبر صحیح ہے یا غلط۔ تو میں یہ عرض کرنے آیا ہوں کہ یہ خبر غلط ہے اور میں خود اس شخص کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں جو ادنیٰ درجے میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرے اور اگر آپ کو یقین نہ آئے تو آپ کے ہاتھ پر ابھی اسلام قبول کرتا ہوں: **اشھد ان لا الہ الا اللہ** ۔ اب امام بے چارہ قدموں میں گر پڑا، بچھا جاتا ہے۔

تو بات صرف یہ تھی کہ ان حضرات کے دلوں میں تواضع للہ اور ادب مع اللہ اس درجہ رچا ہوا تھا کہ نفسانیت کا شائبہ نہ رہا تھا۔ استہزا اور تمسخر تو بجائے خود غلط ہے، اپنے معاندوں کی بھی بے قدری نہیں کرتے تھے بلکہ صحیح محمل پر اتار کر یہ کہتے کہ جو ہمیں کافر کہتے ہیں، یہ ان کی قوتِ ایمانی کی دلیل ہے۔ البتہ یہ تحقیق کر لینی چاہیے کہ واقعہ میں ہم توہین رسول کرتے ہیں؟ ہم معاذ اللہ دشمنانِ رسول ہیں یا دوستانِ رسول؟ اس کی تحقیق ان کو واجب تھی، بلا تحقیق حکم نہیں لگانا چاہیے۔

تو میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ادب اور تادّب دین کی بنیاد ہے جس کو عارف رومی نے کہا ہے:

از خدا خواہیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم گشت از فضلِ رب

حق تعالیٰ شانہ کے ہاں اس کا کوئی مقام نہیں جو گستاخ اور بے ادب ہے۔ اس زمانے میں چونکہ بے ادبی اور گستاخی کے جذبات پیدا ہو چکے ہیں، فرقہ بندی زیادہ ہو گئی ہے، ایک دوسرے کے حق میں زبانِ طعن و ملامت اور زبانِ تضحیک کھولنا بہت معمولی بات بن گئی ہے، اس واسطے میں نے یہ سمع خراشی آپ لوگوں کی کی کہ اگر کسی عالم سے اختلاف آ بھی جائے تو اگر آپ خود عالم ہیں تب آپ پر فرض ہے کہ دوسرے کا احترام کریں اور اگر آپ متبع ہیں اور وہ اقتدا کر رہا ہے دوسرے عالم کی، تو عمل تو اپنے مقتدا و متبوع کی تحقیق پر کریں مگر دوسرے کے ساتھ تمسخر کرنا آپ کے حق میں بالکل جائز نہیں بلکہ آپ یہ تاویل کریں کہ اس کے ہاتھ میں بھی حجت ہے جو ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ جو وہ کہتا ہے، عند اللہ وہ بھی مقبول ہے۔ ہر مجتہد خطا بھی کرتا ہے اور اس پر عتاب اور عذاب بھیجنے لگیں تو یہ خدا کا مقابلہ ہوگا۔ حق تعالیٰ کے ہاں اجتہاد کی خطا پر بھی ملامت نہیں۔ آج کل فروعی اختلافات کی وجہ سے تمسخر بڑھ گیا ہے۔ یہ دین کے منافی ہے۔ بے شک آدمی عمل اپنی تحقیق پر کرے اور دوسرے کو معذور رکھے۔ ادب اور احترام میں کمی نہ آنے دے، یہ دانائی کی بات ہے۔

ائمہ مجتہدین کا باہمی طرزِ عمل

ائمہ مجتہدین کا بھی یہی طریقہ ہے کہ ایک دوسرے سے ظاہری اختلاف رکھتے تھے لیکن ادب اور عظمت میں کمی نہیں کرتے۔ جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بغداد تشریف لائے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے تو امام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صاحب کا مسلک ہے کہ نماز میں فاتحہ کے بعد آمین آہستہ سے کہنا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں زور سے کہنا افضل واولیٰ ہے۔ مگر جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مزار والی مسجد میں نماز پڑھی تو آمین کو آہستہ سے پڑھا اور فرمایا، مجھے حیا آتی ہے اس صاحبِ مزار سے کہ اس کے قریب آ کر اس کے اجتہاد کے خلاف کروں۔ یہ ادب اور تادّب ہے یعنی جس حد تک گنجائش ہو۔ ایک تو حرام وحلال اور جائز وناجائز کا فرق ہے کہ ایک کے ہاں جائز، دوسرے کے ہاں حرام۔ اس میں تو دوسرے کے مسلک پر عمل نہیں کر سکتے مگر جہاں اولیٰ وغیر اولیٰ کا فرق ہے، وہاں ادب ملحوظ رکھا جا سکتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے افضل پر عمل ترک اور غیر افضل پر عمل کیا امام صاحب کی رعایت سے، حالانکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت مزار میں ہیں، سامنے نہیں ہیں مگر یہ ادب کا عالم تھا اور یہ ادب اور تادّب کی بات تھی۔

مسائل اور جذباتِ نفسانی

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان بھی اختلافات تھے۔ ائمہ مجتہدین میں اجتہادی مسائل میں جو اختلافات ہیں، وہ صحابہؓ میں بھی تھے لیکن باوجود اس کے اس ادب واحترام اور عظمت وتعظیم میں ذرہ برابر کمی نہ کی۔ اس لیے ہمارے ہاں جھگڑوں کی وجہ مسائل کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ہمارے نفسانی جذبات ہیں۔ ہم نے اپنے جذبات کو نکالنے میں مسائل کو آڑ بنا رکھا ہے۔ اگر یہ مسائل کی خاصیت ہوتی تو سب سے پہلے صحابہؓ لڑتے کیونکہ ان کے ہاں بھی اختلاف تھا۔ اس کے بعد ائمہ مجتہدین کے ہاں لاٹھی چلتی، پھر علماء ربانیین آپس میں لڑتے۔ مگر اختلاف بھی ہے اور ادب بھی۔ یہ دراصل اختلافِ رائے کے نام سے ہم اپنے جذبات نکالتے ہیں اور میں تو کہا کرتا ہوں کہ لڑنے کی چیز اصل میں جائیداد ہے، مکان ہے، جاگیر ہے۔ جب مسلمان کے پاس یہ چیزیں نہ رہیں، نہ جائیداد، نہ مکان، نہ سلطنت تو سوچا کہ بھئی دین کو لڑنے کا ذریعہ بناؤ اور مسائل کو آڑ بناؤ۔ تو یہ مسائل کی خاصیت نہیں۔ اختلاف کرنے کی گنجائش ہے مگر لڑنے جھگڑنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

مسلمانوں کے فروعی اختلاف پر عیسائی جج کا طنز

ایک عرصہ پہلے ایک یورپین عیسائی کلکٹر تھا۔ اس کے زمانے میں احناف اور اہل حدیث میں لڑائی ہوئی ''آمین'' کہنے پر۔ حنفیوں نے آہستہ پڑھی، اہلِ حدیث نے زور سے کہی تو لاٹھی چل گئی۔ بہت سے لوگوں کا سر ٹوٹ گیا۔ مقدمہ کلکٹر کے ہاں گیا۔ فریقین کے وکلا نے کلکٹر کو مقدمہ سمجھایا تو اس نے کہا کہ بھئی ''آمین'' کوئی جائیداد ہے یا بلڈنگ ہے کہ اس پر لڑتے ہیں؟ وکلا نے کہا، نہیں۔ ''آمین'' ایک قول ہے جو زبان سے نکالتے ہیں۔ یہ یوں کہتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث آئی ہے کہ ''آمین'' زور سے کہو، دوسرے کہتے ہیں کہ حدیث آئی ہے کہ آہستہ پڑھو۔ اس نے کہا، جس کو جو حدیث معلوم ہے، اس پر عمل کرے، لڑتے کیوں ہو؟ اور اس کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی اور سمجھ میں آنے والی بات بھی نہ تھی۔ بہرحال، اس نے بڑا دانشمندانہ فیصلہ لکھا کہ میں مقدمہ کی مثل دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کے ہاں ''آمین'' کی تین قسمیں ہیں۔ ایک ''آمین بالجہر'' یعنی زور سے پڑھنا۔ ایک ''آمین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالسر'' یعنی آہستہ پڑھنا۔ اور ایک ''آمین بالشر'' یعنی جھگڑنے لڑنے کے لیے پڑھنا، لہٰذا میں دونوں کو سزا دیتا ہوں۔ گویا اس نے بتایا کہ اختلافی مسائل نہ لڑائی کے لیے ہوتے ہیں نہ باہمی نزاع کے لیے۔ وہ دیانتاً حجت سے رائے قائم کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ تو یہ ہمارے قلوب کا فساد ہے کہ ہم نے مسائل کو اپنے دل کے جذبات نکالنے کی آڑ بنا لیا ہے اور ہر دین کا مسئلہ جھگڑا ڈالنے اور گروہ بندیوں کے لیے رہ گیا ہے۔

اختلافی مسائل میں راہِ صواب

اگر اجتہادی مسئلہ ہے تو اسے بیان کرو، مگر لڑنا کیوں ہے؟ وہ اپنی قبر میں جائے گا اور تم اپنی قبر میں جاؤ گے۔ کیونکر اس سے مسخرگی کرو اور اسے کیا حق ہے کہ تمہارا استہزا کرے۔ آپ نے بیان کیا، امر بالمعروف کا حق ادا ہو گیا۔ اب اگر کوئی بات نہیں مانتا تو نہ مانے۔ اگر اس کے پاس کوئی حجت ہے تو وہ عند اللہ جواب دے گا۔ تم ذمہ دار نہیں ہو نہ تم سے آخرت میں پوچھا جائے۔ اور پھر دین منوانا (یعنی اصول دین پر کسی کو مجبور کرنا) بھی ضروری نہیں، چہ جائیکہ فروعی اور اجتہادی مسائل کا منوانا ضروری ہو۔ بہرحال آج کل ذرا ذرا سے اختلافی مسائل پر لوگ نزاع کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ اس سے مسلمانوں میں جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور مسلمانوں کی قوت زائل ہو رہی ہے۔

ایک شخص اجتہادی رائے کے بارے میں اتنا جمود کرے کہ کسی کو معذور بھی نہ سمجھ سکے، یہ درحقیقت عوام کی اصلاح نہیں، فساد ہے۔ تو ایک چیز چلانے کی ضرورت نہیں کہ بار بار کہے۔ بس ہو گیا ایک مسئلہ کا اعلان۔ ماننے والے مانیں گے، تم ذمہ دار اور خدائی ٹھیکیدار نہیں ہو۔ ایک مسئلہ کا ضد اور اصرار کے ساتھ پیش کرتے رہنا اور چپاتے رہنا، اس سے خواہ مخواہ عوام میں نزاعات پیدا ہوتے ہیں۔ کہنے والا تو بچ گیا اور مصیبت عوام پر آ گئی۔ ہاں ایک ہیں دین کے اصول۔ نماز فرض ہے، روزہ فرض ہے، زکوٰۃ دینا فرض ہے۔ آپ زور سے کہہ سکتے ہیں لیکن فروعی اور اجتہادی چیزوں میں آپ زور دیں؟ تو یہ تبلیغی چیزیں ہی نہیں، آپ زور کہاں سے دیتے ہیں؟ مثلاً حنفی مسائل ہیں جو تبلیغی مذہب ہی نہیں۔ آپ اسٹیج پر کھڑے ہو کر کہیں کہ لوگو، تم شافعی بن جاؤ، حنفی مت بنو۔ یہ ترجیحی مذاہب ہیں، تبلیغی نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں عمل واجب یا افضل ہے اور فلاں عمل نہیں۔ تو ترجیحی مذاہب کو تبلیغی مذہب مت بناؤ کہ اگر کسی عالم کی کوئی جزئی تحقیق ہو، خواہ مخواہ اس کی تبلیغ پر ضد اور اصرار کیا جائے۔

بہرحال آج کل یہ چیز پیدا ہو گئی ہے۔ بہت گستاخی، جسارت اور جرات ہو رہی ہے۔ اس واسطے یہ چند باتیں عرض کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے عمل کی۔ **اللھم افتح لنا بالخیر واختم لنا بالخیر۔**

(خطبات حکیم الاسلام، جلد دوم)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انتخاب وترتیب: محمد عمار خان ناصر

اختلاف کے حدود وآداب، رواداری اور احترام

اکابر اہل علم کے طرز عمل کے چند نمونے

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے سرسید سے متعلق ایک فتویٰ آپ کے دستخطوں کے لیے پیش کیا۔ مولانا نے ان لوگوں سے کہا کہ بھائی! میں پہلے تحقیقات کرلوں، آیا وہ کافر ہیں بھی یا نہیں۔ چنانچہ تحقیقات کی غرض سے مولانا محمد قاسم نانوتوی نے سرسید کو تین سوالات لکھ کر بھیجے: (۲) خدا پر آپ کا عقیدہ کیا ہے؟ (۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کا عقیدہ کیا ہے؟ (۳) قیامت کے متعلق آپ کا عقیدہ کیا ہے؟

سرسید احمد خاں نے ان سوالات کے جواب میں لکھا: (۱) خدا تعالیٰ مالک ازلی اور صانع تمام کائنات ہے۔ (۲) بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر (۳) قیامت برحق ہے۔

جب سرسید کا یہ جواب مولانا قاسم نانوتوی کے پاس پہنچا تو آپ نے ان لوگوں سے جو فتویٰ پر دستخط کرانے آئے تھے، فرمایا ''تم اس شخص کے خلاف دستخط کروانا چاہتے ہو جو پکا مسلمان ہے؟'' (عبید اللہ (م)، مقالات یوم شبلی، اردو مرکز لاہور، ۱۹۶۱ء، ص ۶۸، ۶۹)

مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کے نام خط سے اقتباس:

''آپ نے انگریزوں کی نسبت اعتراض فرمایا ہے کہ ابتدائے سلطنت سے انگریزوں کا مطمح نظر حرارت ایمانی کا قلوب سے سلب کرنا تھا جو انھوں نے متعدد اور مختلف طریقوں سے اپنے مقصود کے حاصل کرنے کی تدبیریں کیں اور اس میں کامیاب ہو گئے اور من جملہ ان تدبیروں کے علی گڑھ کالج کی بنا بھی ہے کہ جس کے بانی نے حب مال وجاہ کی آڑ میں ترقی دنیا کا سبز باغ دکھلا کر مسلمانوں کے دل سے وہ تنفر اور توحش عن النصاریٰ بالکل نکال دیا جو اسلام کے لیے روح رواں تھا۔ اس کے متعلق مجھ کو اسی قدر عرض کرنا ہے کہ آپ غور فرماویں کہ یہ قصور کس کا ہے؟ نصرانیوں کا قصور ہے یا آپ کا؟...... بانی علی گڑھ کی نیت کا علم خدا ہی کو ہے کہ اس نے اس کالج کی بنا کس نیت پر ڈالی۔ اگر اس کی نیت یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ اکی وجہ سے مسلمانوں کے دلوں میں سے حرارت وغیرت ایمان سلب ہو جاوے تو اس کا محاسبہ خدا تعالیٰ شانہ کے یہاں ہے اور اگر اس کی نیت یہ نہیں تھی، بلکہ اس کی نیت محض دنیاوی ترقی تھی جس طرح میں گزشتہ تقریر میں عرض کر آیا ہوں تو پھر فرمائیے کہ یہ ہمارا ظن کیا ظن فاسد نہیں ہوگا؟'' (مطبوعہ ماہنامہ ''الصیانہ'' لاہور، دسمبر ۲۰۰۲ء، ص ۱۹، ۲۰)

مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ

ایک مرتبہ کوئی صاحب سرسید کے بارے میں تذکرہ کر رہے تھے کہ اس نے شریعت محمدی میں بڑا تنزل اور اختلاف پیدا کیا ہے۔ ہزاروں حملے شریعت پر کیے ہیں۔ مولانا فضل الرحمٰن نے یہ باتیں سن کر کہا کہ ''ان کی ظاہری تقریر کو نہ دیکھو، ان کے قلب کو دیکھو کہ کیسا ہے''۔

مولانا محمد علی مونگیری خلیفہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی نے بھی ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت قبلہ حجرہ میں بیٹھے تھے کہ چند مولوی صاحبان صحن میں لڑ رہے تھے کہ سرسید روایات صحیحہ کا انکار کرتا ہے، تواتر کا انکار کرتا ہے، کافر ہے۔ حضرت قبلہ حجرہ سے نکلے، مسجد میں تشریف لائے اور مولانا مونگیری سے فرمایا ''یہ لوگ اس بے چارے کو کافر بناتے ہیں، مگر اس کے قلب کو دیکھو کہ کیسا ہے۔'' (''کمالات رحمانی'' از شاہ تجمل حسین بہاری، بحوالہ صدق جدید، ۵ر مئی ۱۹۶۱ء)

مولانا اشرف علی تھانویؒ

سرسید احمد خان سے متعلق خیالات:

''سرسید کا عقیدہ توحید اور رسالت کے متعلق جس درجہ کا بھی تھا، بلا وسوسہ اور نہایت پختہ تھا جیسا کہ ان کی بعض تصانیف سے مجھ کو ظاہر ہوا اور قرآن وحدیث کی جو توجیہات انھوں نے کیں، ان کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین کا اسلام پر کوئی اعتراض وارد نہ ہو۔ گو اس کے لیے انھوں نے جو طریقہ اختیار کیا، وہ غلط تھا، اس لیے میں ان کو نادان دوست کہتا ہوں۔'' (اشرف السوانح از خواجہ عزیز الحسن مجذوب، جلد اول، ص ۲۱۵)

''سید احمد بڑے حوصلے کا آدمی تھا، مگر انھوں نے خواہ مخواہ دین میں ٹانگ اڑا کر اپنے آپ کو بدنام کیا، ورنہ ان کو تو لوگ دنیا کا تو ضرور ہی پیشوا بنا لیتے۔ بڑے محبِّ قوم تھے۔ دین میں رخنہ اندازی کرنے کی وجہ سے لوگ ان سے نفرت کرنے لگے تھے۔ اسی سے نقصان ہوا....... یہ جو مشہور ہے کہ وہ انگریزوں کا خیر خواہ تھا، یہ غلط ہے بلکہ بڑا دانش مند تھا۔ یہ سمجھتا تھا کہ انگریز برسر حکومت ہیں۔ ان سے بگاڑ کر کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ ان سے مل کر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔'' (ملفوظات حکیم الامت، ج ۱۱، ص ۲۶۷۔۲۶۹)

''خطبات حکیم الاسلام'' (مولانا قاری محمد طیبؒ) سے اقتباس:

''ایک دن حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی مجلس میں غالباً خواجہ عزیز الحسن مجذوب صاحبؒ یا کسی اور نے یہ لفظ کہا کہ: ''احمد رضا یوں کہتا ہے۔'' بس حضرت بگڑ گئے۔ فرمایا: ''عالم تو ہیں۔ ہمیں توہین کرنے کا کیا حق ہے؟ کیوں نہیں تم نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا کا لفظ کہا؟'' غرض بہت ڈانٹا ڈپٹا۔ بہر حال ہم تو اس طریق پر ہیں کہ قطعاً ان کی بے حرمتی جائز نہیں سمجھتے۔ کافر فاسق کہنا تو بڑی چیز ہے۔ یہ ضرور ہے کہ جو خلاف سنت امور ہیں، انھیں ظاہر کرتے ہیں کہ بدعات ہیں، خلاف سنت ہیں، انھیں ترک کرو۔ لیکن کرنے والوں کی توہین کریں، یہ نہیں ہے۔'' (ج ۵ ص ۲۲۲)

''الافاضات الیومیہ'' سے اقتباس:

''ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے اکابر اہل بدعت کی مذمت میں بھی غلو نہیں فرماتے، کیونکہ یہ اہل بدعت اگر اپنے علماء کے کہنے سے غلطی اور دھوکہ میں ہیں تو معذور ہیں۔ اللہ تعالیٰ معاف فرماویں۔ اور اگر قصداً ایسا کرتے ہیں تو مواخذہ فرمائیں گے، ہم کیوں اپنی زبان گندہ کریں؟ اس لیے اپنے بزرگوں کو کچھ زیادہ کہتے ہوئے یا لکھتے ہوئے نہیں دیکھا'' (الافاضات الیومیہ جلد دوم ص ۷۵)

مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ

''سوال: زید حنفی المذہب نے اپنی بیوی ہندہ کو ایک مجلس میں بحالت غیظ وغضب ومرض میں بیک زبان تین طلاقیں دے دیں۔ پھر پچھتایا اور نادم ہوا کہ گھر ویران اور بال بچے در بدر ہو جائیں گے۔ اشد ضرورت میں مفتی اہل حدیث سے فتویٰ طلب کیا۔ وہاں سے فتویٰ ملا کہ صرف ایک ہی طلاق ہوئی ہے۔ زید نے رجوع کر لیا۔ اس پر دوسرے علماء نے مفتی اہل حدیث پر کفر کا فتویٰ لگا دیا اور مقاطعہ کا حکم دیا اور مسجد میں آنے سے روک دیا۔ کیا یہ فعل جائز ہے؟ اور کیا ائمہ متقدمین میں سے کوئی اس کا قائل تھا یا نہیں؟

جواب ۳۵۸: ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں پڑ جانے کا مذہب جمہور علماء کا ہے اور ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں۔ جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے علاوہ بعض علماء اس کے قائل ضرور ہیں کہ ایک طلاق رجعی ہوتی ہے اور یہ مذہب اہل حدیث نے بھی اختیار کیا ہے اور حضرت ابن عباس اور طاؤس وعکرمہ وابن اسحاق سے منقول ہے۔ پس کسی اہل حدیث کو اس حکم کی وجہ سے کافر کہنا درست نہیں اور نہ وہ قابل مقاطعہ اور نہ مستحق اخراج عن المسجد ہے۔ ہاں، حنفی کا اہل حدیث سے فتویٰ حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا تو یہ باعتبار فتویٰ ناجائز تھا، لیکن اگر وہ بھی مجبوری اور اضطرار کی حالت میں اس کا مرتکب ہوا ہو تو قابل درگزر رہے۔'' (کفایت المفتی، ج ۶ ص ۳۷۹، ۳۸۰)

''ڈاڑھی منڈانا یا منڈی ہوئی کے قریب قریب کتروانا مکروہ تحریمی یا حرام ہے کیونکہ یہ امر اعفوا اللحی کے خلاف ہے......اور ایک مشت رکھنا مسنون ہے، اس مقدار سے زائد کو کترو ادینا جائز ہے...... یک مشت کی مقدار احادیث سے ثابت ہے اور وہ احادیث ظنی ہیں، اس لیے اس مقدار کو فرض یا واجب قرار دینا مشکل ہے کہ اس کے خلاف کو فسق کہہ دیا جائے۔ یک مشت کی مقدار کو میں مسنون کہتا ہوں اور اس کے خلاف کو مکروہ بھی کہتا ہوں، مگر ایک مشت سے اتنی کمی کہ وہ دور سے متمیز نہ ہو سکے، میرے خیال میں مکروہ اور ناجائز ہونے کے باوجود اس قابل نہیں کہ اس کو موجب فسق اور مکروہ تحریمی قرار دیا جائے۔ ہاں، مکروہ تنزیہی اور خلاف سنت کہہ سکتے ہیں۔......کس قدر بڑھانا لازم ہے، اس کی تحدید صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک قبضے والی روایت سے ہوسکتی ہے، لیکن وہ ظنی ہے یعنی اس مرتبے میں نہیں ہے کہ اس کو تحدید اعفاء کے لیے دلیل بنایا جا سکے کیونکہ فعلی روایتیں ہیں جن کا مفاد یہ ہوسکتا ہے کہ ایک قبضے تک رکھ کر زیادہ کو کٹوانا ثابت ہے، لیکن ایک قبضہ فرض ہے یا مسنون یا مستحب، اس کا فیصلہ ان حدیثوں سے نہیں ہوسکتا۔" (کفایت المفتی، ج ۹، ص ۱۷۲، ۱۷۳)

مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

مکاتیب شیخ الاسلام، مکتوب نمبر ۶۳ سے اقتباس:

"پادشاہانِ اسلام نے اولاً تو اس طرف توجہ ہی نہیں کی۔ بلکہ وہ تمام باتوں کا قوت سے مقابلہ کرتے رہے۔ مگر شاہانِ مغلیہ کو ضرور اس طرف التفات ہوا۔ خصوصاً اکبر نے...... اگر اس کے جیسے چند بادشاہ اور بھی ہو جاتے یا کم از کم اس کی جاری کردہ پالیسی جاری رہنے پاتی تو ضرور بالضرور برہمنوں کی یہ چال مدفون ہو جاتی اور اسلام کے دلدادہ آج ہندوستان میں اکثریت میں ہوتے۔ اکبر نے نہ صرف اشخاص پر قبضہ کیا تھا، بلکہ عام ہندو ذہنیت اور منافرت کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا تھا، مگر ادھر تو اکبر نے نفس دین اسلام میں کچھ غلطیاں کیں جن سے مسلم طبقہ میں اس سے بدظنی ہوئی، اگرچہ بہت سے بدظنی کرنے والے غافل اور کم سمجھ تھے، ادھر برہمنوں کے غیظ وغضب میں اپنی ناکامیاں دیکھ کر اشتعال پیدا ہوا، ادھر یورپین قومیں خصوصاً انگلستان کو اپنے مقاصد میں کامیابی کا ذریعہ تلاش کرنا پڑا اور سب سے بڑا ذریعہ اس کے لیے منافرت بین الاقوام تھا اور ہے"۔

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کی یاد میں مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان گورمانی کی تحریر سے اقتباس:

"میں نے عرض کیا کہ اہل علم کا ایک طبقہ مولانا ابوالکلام آزاد کو اچھا نہیں سمجھتا اور انھیں برے القاب سے یاد کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت شیخ مدنی کے درس میں ایک طالب علم نے رقعہ لکھا اور اس میں مولانا ابوالکلام آزاد کو برا بھلا کہا۔ آپ نے رقعہ پڑھتے ہی عینک اتار دی اور متوجہ ہو کر فرمایا کہ یہ کس گدھے نے لکھا ہے؟ ہمارے استاد (شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ) تحریک آزادی میں ان کی خدمات کو سراہتے اور تعریف کیا کرتے تھے۔" (الشریعہ، خصوصی اشاعت بیاد امام اہل سنت، جولائی تا اکتوبر ۲۰۰۹ء)

مولانا قاری محمد طیبؒ

بریلوی دیوبندی اختلاف کے متعلق نقطہ نظر:

"ملتان میں انقلاب سے پہلے ایک دفعہ میرا جانا ہوا۔ مولانا خیر محمد صاحبؒ نے خیر المدارس کا جلسہ کیا تھا۔ میں نے جا کے پوچھا، یہاں کوئی بزرگ، کوئی عالم اور بھی ہے جس سے ملیں؟ انھوں نے کہا: مولانا محمد بخش صاحب ہیں او ر بریلوی فرقہ کے ہیں۔ میں نے کہا: ہم انھیں فرقہ ہی نہیں سمجھتے۔ نہ ہم فرقہ، نہ وہ فرقے۔ مولانا عبدالخالق صاحب نے بہت روکا کہ ان کے خلاف تو جلسہ کر رہے ہیں اور تم جا کے ملوگے! میں نے کہا: خلاف کا وقت آئے گا، خلاف بھی کریں گے اور وہ مسئلہ کی بات ہوگی، لیکن ملنے میں کیا حرج ہے؟ ان سے چھپ چھپا کر، میرے ساتھ حافظ شریف احمد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے، مغرب کے وقت ان کی مسجد میں پہنچ گئے۔...... میں ہمیشہ اس کی کوشش کیا کرتا ہوں کہ بھئی منافرت مت پیدا کرو۔ اپنی رائے ہے۔ اگر آپ دیانۃً صحیح سمجھتے ہو، اس پر عمل کرو، لیکن نفرتیں پیدا کرنا، یہ صحیح نہیں۔'' (خطبات حکیم الاسلام، ج ۵، ص ۲۲۴)

روضہ اطہر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے حوالے سے مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کے موقف پر تبصرہ:

''سید صاحب ممدوح کے بارے میں مجھے اپنی معلومات کی حد تک یہ عرض کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ وہ برزخ میں انبیاء کی حیات جسمانی کے کلیۃً منکر نہیں ہیں۔ صرف اس کی کیفیت اور نوعیت میں کلام کرتے ہیں۔ ایسے ہی وہ حاضرین قبر شریف کے درود وسلام کے حضور کے سمع مبارک تک پہنچنے اور آپ کے سننے کا بھی علی الاطلاق انکار نہیں کرتے، بلکہ اس کے دوام اور ہمہ وقتی ہونے کے قائل نہیں۔ ان کا یہ ناتمام اقرار چونکہ ان کی مفہومہ حجت سے ہے، اس لیے انھیں اس بارے میں منکر نہیں کہا جائے گا، بلکہ مووّل سمجھا جائے گا۔ گو ان کی یہ تاویل بمقابلہ جمہور...... قابل تسلیم نہیں، لیکن مذکورہ صورت حال کے ہوتے ہوئے جبکہ ان کا یہ اختلاف حجت سے ہے، ان پر زبان طعن وملامت کھولنا یا تشنیع کرنا کسی طرح قرین انصاف وصواب نہیں، بالخصوص جبکہ وہ دوسرے مسائل میں بحیثیت مجموعی اہل دیوبند اور اہل السنّت والجماعت کے حامی اور خادم بھی ہیں۔'' (خطبات حکیم الاسلام، ج ۵، ص ۱۰۱)

ہفت روزہ ''الجمعیۃ'' دہلی

محمود احمد عباسی صاحب کی کتاب ''خلافت معاویہ'' پر پاکستان میں پابندی عائد کیے جانے پر جمعیۃ علمائے ہند کے ترجمان ہفت روزہ ''الجمعیۃ'' دہلی میں شائع ہونے والے اداریے (جلد ۴۴، شمارہ ۲۸۱، ۱۲/اکتوبر ۱۹۵۹ء) سے اقتباس:

''اگر کوئی شخص ایسی کتاب لکھے جس میں اونچے خیالات کے ساتھ علمی رنگ میں کسی اختلافی مسئلہ پر ریسرچ کی گئی ہو اور اس کے ذریعہ تاریخ کے بعض مخفی گوشوں کو اجاگر کیا گیا ہو، ساتھ ہی اس میں کسی طبقے کی دل آزاری بھی نہ کی گئی ہو، نہ اس کے بزرگوں کو برا کہا گیا ہو تو ایسی علمی کتاب کی قدر کرنی چاہیے۔ اگر کوئی حکومت تحقیقی لٹریچر پر بھی قدغن لگا دے تو یہ علم اور ریسرچ کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہوگی۔ ابھی حال میں پاکستان سے خلافت معاویہ ویزید پر ایک کتاب شائع کی گئی ہے جو ہماری نظر سے بھی گزری ہے اور جو اپنے موضوع پر اس قدر محققانہ اور مورخانہ ہے کہ اس سے بہتر ریسرچ کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ ساتھ ہی اس کی متانت بھی قابل داد ہے، مگر ہمیں یہ سن کر تعجب ہوا کہ حکومت پاکستان نے اسے ضبط کر لیا۔ ہو سکتا ہے کہ کتاب مذکور کے دلائل کمزور ہوں اور ان سے کسی کو اتفاق نہ ہو۔ اس کا علاج یہ ہے کہ تحقیق کے اعلیٰ پیمانے پر ہی اسے زیر تنقید لایا جائے اور علمی رنگ میں اس کا جواب دیا جائے۔ لیکن علمی باتوں میں حکومت پاکستان کا دخل دینا حدود کار سے تجاوز کرنا ہے۔ اس طرح تو تحقیقات کا سلسلہ یکسر منقطع ہو جائے گا اور تاریخی لٹریچر کو دریا برد کرنا پڑے گا۔'' (بحوالہ ''خلافت معاویہ ویزید'' طبع سوم ص ۱۲، ۱۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

ڈاکٹر عبید اقبال عاصم کی تصنیف ''مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی: ایک مطالعہ'' (شائع کردہ: حافظی بک ڈپو، دیوبند، ۲۰۰۹ء) سے اقتباس:

''مولانا عثمانی باوجودے کہ قدامت پسند علماء کے طبقہ متشددین سے تعلق رکھتے تھے، لیکن انھوں نے مولانا مودودی سے جب کبھی گفتگو یا مراسلت کی تو اس میں سنجیدگی و متانت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ان سے علمی اختلاف ضرور کیا، لیکن ان کے احترام اور محبت میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔...... مولانا ظفر احمد صاحب نے مولانا مودودی کی علمی قابلیت کا اعتراف، ان سے اظہار محبت اور کچھ علما کی طرف سے ان کی تحریروں پر تکفیری حملوں سے اظہار براءت کرتے ہوئے مسئلہ مذکورہ میں مولانا مودودی کے خیالات سے اختلاف کیا۔......

یہ ایک مثبت انداز فکر تھا جو مولانا کو علمی حلقوں میں ممتاز کیے ہوئے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے یہاں علمی تحریروں کے تئیں جو جذبات مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا عبید اللہ سندھی وغیرہم (جو علمائے دیوبند میں امتیاز شان رکھتے تھے) کے متعلق ملتے ہیں، وہی جذبات مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (جن کی فکر عام علمائے دیوبند کی روش سے ہٹ کر ہے) کے لیے بھی ملتے ہیں۔ آپ نے جس انداز سے مذکورہ بالا حضرات سے علمی بحث کی ہے، اس میں افہام وتفہیم کے عناصر ہیں نہ کہ نزاع وجدال کے۔'' (ص ۱۸۴-۱۸۶)

[مذکورہ کتاب پر دارالعلوم دیوبند وقف کے استاذ مولانا محمد اسلم قاسمی اور جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے امین عام مولانا سید محمد شاہد کی تقریظات بھی ثبت ہیں۔]

مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

مولانا عمر احمد عثمانی (فرزند مولانا ظفر احمد عثمانی) مصنف ''فقہ القرآن'' کے نام مکتوب سے اقتباس:

''اللہ تعالیٰ تمھاری کوشش کو بارآور کرے۔ اللہ تعالیٰ تمھیں لغزشوں سے محفوظ رکھے۔ لغزش تو پیارے کس سے نہیں ہوتی؟ اللہ تعالیٰ سب کو معاف کرے۔ اپنی طرف سے دیدہ ودانستہ نہیں کرنی چاہیے، اتنا ہی بہت ہے۔ تمھارے لیے واقعی دل سے دعا نام لے کر بھی اور بغیر نام لیے تو بہت کثرت سے کرتا ہوں۔ تم تو میرے قدیم لاڈلے ہو اور استاذی اعلی اللہ مرقدہ کے یادگار رہو۔ اللہ تمھیں ہر لغزش سے محفوظ رکھے۔ تمھاری تصانیف کو قبول فرمائے۔ لوگوں کو ان سے منتفع فرمائے۔'' (''فقہ القرآن''، شہادت و دیت نسواں''، ص ۱۶)

مولانا سید سلیمان ندویؒ

جسٹس سید امیر علی کی وفات پر تعزیتی شذرہ:

''سید امیر علی مرحوم تمام تر جدید تعلیم کے پیداوار تھے، مگر انھوں نے بزرگوں کے سنے سنائے معلومات اور ذاتی کد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وکاوش سے یورپ میں اسلام کی بڑی خدمت کی۔ وہ یورپ میں تمام اسلامی کاموں اور تحریکوں کے رکن رکین سمجھے جاتے تھے۔ان کے مذہبی اور سیاسی خیالات سے گو ہم موافقت نہ کر سکیں، مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کے قلم کی ضوفشانی سے اسلام کے متعلق یورپ کے بہت سے خیالات باطلہ کے بادل پھٹ گئے۔ان کی دو کتابیں اسپرٹ آف اسلام اور ہسٹری آف سارا سینس ہمیشہ یادگار رہیں گی۔" (یادرفتگاں، ص ۸۶)

خواجہ کمال الدین کی وفات پر تعزیتی شذرہ:

"عیسوی مذہب کے سب سے بڑے نقاد اور عیسوی ممالک میں اسلام کے مشہور مبلغ خواجہ کمال الدین نے افسوس ہے کہ وفات پائی۔ وہ کئی برس سے سل کے مرض میں مبتلا تھے اور اس حالت میں بھی وہ تصنیف وتالیف میں ہمیشہ مصروف رہے۔ احمدی جماعت میں ہمارے نزدیک وہ عام مسلمانوں سے سب سے زیادہ قریب تھے۔...... گو ہم کو خواجہ صاحب کے بہت سے خیالات اور تاویلات سے اتفاق نہیں، تاہم یہ کہنا اظہار واقعہ ہے کہ انھوں نے ۱۹۱۲ء سے لے کر ۱۹۳۲ء تک اپنی پوری بیس برس کی زندگی اسلام کی تبلیغ اور اس کے محاسن کی اشاعت اور یورپ میں اسلامی لٹریچر کی فراہمی میں صرف کی اور نیز یہ کہ ان کی تصنیفات کے بڑے حصے کا موضوع "احمدیت" نہیں، "محمدیت" ہے۔ افسوس کہ ان کی موت سے دنیا کی مذہبی بزم میں ایک اہم جگہ خالی ہوگئی۔" (یادرفتگان، ص ۱۵۰)

مصطفیٰ کمال اتاترک کی وفات پر تعزیتی شذرہ:

"آخر اس عیسیٰ نفس کو بھی موت آ گئی جس نے بیمار ترکی کو شفا اور اس کو موت کے پنجہ سے چھڑا کر زندگی بخشی تھی۔ ......۱۹۲۰ء میں کون خیال کر سکتا تھا کہ اتحادیوں کے پنجہ ستم سے بچ کر یہ شکار صحیح وسلامت نکل آئے گا، مگر اس کی تدبیروں نے آخر ہر تدبیر کو شکست دی۔ڈاکٹر اقبال نے سچ کہا:

قاہری با دلبری پیغمبری ست

ایسا سیاسی پیغمبر اگر کوئی ہوا ہے تو وہ مصطفیٰ کمال اتاترک تھا جو تاج وتخت، خدم وحشم، باڈی گارڈ اور محافظوں کے دستہ کے بغیر ملک پر حکمرانی کرتا تھا۔اس نے اسلام کے اس سیاسی رنگ کا دھندلا سا منظر پیش کیا تھا جس کے دیکھنے کو خلافت راشدہ کے بعد سے مسلمانوں کی آنکھیں بے تاب تھیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کو اپنی مغفرت ورحمت کے فتوحات سے سرفراز فرمائے اور ان کی اجتہادی غلطیوں سے درگزر کرے۔" (یادرفتگان، ص ۱۸۸)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی کی تصنیف "حیات نعمانی" (الفرقان بک ڈپو، لکھنو، مارچ ۲۰۱۳ء) سے اقتباس:

"اس سفر [سفر پاکستان ۱۹۷۸ء] میں اپنے قدیم مکرم ومحترم مولانا امین احسن اصلاحی صاحب سے ملاقات کا بھی بڑا اشتیاق تھا۔...... ۲۰، ۲۱ سال کی طویل مدت کے بعد مولانا کو دیکھ کے اور مل کر بہت ہی مسرت ہوئی۔ مئی سال پہلے مولانا بہت سخت مریض ہوئے تھے۔ بظاہر اسباب اس امید کی گنجائش نہیں رہی تھی کہ وہ صحت یاب ہوکر قرآن پاک کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تفسیر کا وہ کام جاری رکھ سکیں گے جو ''تدبر قرآن'' کے نام سے وہ کر رہے تھے۔......راقم سطور کے نزدیک اردو کی جدید تفسیروں میں ''تدبر قرآن'' بہت ممتاز مقام رکھتی ہے۔'' (حیات نعمانی، ص ۳۰۸)

''اس ملاقات سے متعلق رفیق سفر برادر عزیز سجاد نعمانی کی روایت بھی قابل ذکر ہے۔ بتاتے ہیں: ......دوسری بات اس ملاقات کی یہ یاد ہے کہ انھوں نے اپنی اہلیہ کا سلام نقل کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ ''مجھے بڑی حسرت ہے اور شکایت ہے کہ میری اہلیہ آپ کی کتابیں معارف الحدیث وغیرہ تو بہت اہتمام سے پڑھتی ہیں، مگر میری کتابوں سے ان کو دلچسپی ہی نہیں ہوتی۔'' ابی [مولانا منظور نعمانی] نے یہ سن کر مسکراتے ہوئے کہا: ''اس میں شکایت کی کون سی بات ہے۔ ہم جو لکھتے ہیں، وہ اُن کے لیے لکھتے ہیں اور آپ جو لکھتے ہیں، وہ ہمارے لیے لکھتے ہیں۔'' (ص ۳۰۹)

''مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت اور اب میرا موقف'' کے دیباچہ سے اقتباس:

''یہ کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے، دراصل یہ ایک مضمون ہے جو اب سے ۸، ۹ مہینے پہلے گزشتہ شعبان میں ماہنامہ ''الفرقان'' میں اشاعت ہی کی نیت سے لکھا گیا تھا......کاپیاں پریس جانے والی تھیں کہ ۳۰ شوال (۲۳ ستمبر) کو اچانک اطلاع ملی کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی جو امریکہ میں مقیم اپنے صاحب زادے کے پاس علاج ہی کے سلسلہ میں مقیم تھے، وہیں رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس اطلاع کے بعد اس مضمون کی اشاعت اس وقت مناسب نہیں سمجھی گئی اور شوال و ذیقعدہ کے اس مشترک شمارے کو روک کر صرف شوال کا شمارہ تیار کر کے شائع کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا جو وسط ذیقعدہ میں شائع ہو سکا۔ اس میں راقم سطور نے مولانا مرحوم سے متعلق مفصل تعزیتی نوٹ بھی لکھا جس میں ان کی قابل قدر خدمات، بعض خصوصیات اور ان کے ساتھ اپنے ربط و تعلق اور پھر قطع تعلق کے مختلف ادوار کا تذکرہ کرنے کے بعد عرض کیا تھا کہ ان کے انتقال کر جانے کے بعد اب ہم پر ان کا حق یہی ہے کہ ان کے اور اپنے رب کریم سے ان کے لیے اور اپنے لیے بھی مغفرت ورحمت کی استدعا کریں۔ ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رء وف رحیم۔'' (ص ۹)

مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ

مولانا عمر احمد عثمانی کی تالیف ''فقہ القرآن'' پر تبصرہ:

''فقہ القرآن'' اسی مقصد کی جانب ایک قدم ہے جس میں قرآن مجید کو مدار و محور بنا کر تمام فقہی ذخیرہ کا جائزہ لیا گیا ہے اور علمی انداز سے اپنے نقطہ نظر کو پیش کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے، اجتہادی مسائل میں باہم اختلافات کی گنجائش رہتی ہے، لیکن اس اختلاف کو وجہ مخالفت بنانا اور غیر شائستہ انداز میں ذاتیات پر اتر آنا نہ علمی مزاج کی نشان دہی کرتا ہے، نہ اسلامی اخلاق کے مطابق ہے۔ خصوصاً مذہبی نمائندوں کے لیے تو یہ طرز عمل نہایت نامناسب ہے۔ اسلامی سوسائٹی پر ان کی گرفت کمزور کرنے میں ان کے اس طرز عمل کو بہت حد تک دخل ہے۔......

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علمی کام کرنے والوں کو فتووں اور ہنگاموں سے نہیں گھبرانا چاہیے۔ کیا امام اعظم نے جب علمی کام کیا تھا تو ہنگامے نہیں ہوئے تھے؟ امام بخاری پر ان کی ایک علمی جدت کی وجہ سے امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں جتنی تلخ و ترش تنقید کی ہے، کیا وہ کسی صاحب علم سے پوشیدہ ہے؟ لیکن آج سب دیکھ رہے ہیں کہ امام اعظم کے علمی کام اور امام بخاری کی علمی جدت کو سکہ رائج الوقت کی حیثیت حاصل ہے اور ان حضرات کے مخالفین کے فتوے اور مخالفتیں سب دھری کی دھری رہ گئیں۔'' (''فقہ القرآن''، شہادت و دیت نسواں''، ص ۱۳، ۱۴)

''عزیزم مولانا عمر احمد عثمانی مستحق تحسین ہیں کہ وہ اس پل صراط سے نہایت سلامت روی سے گزرے ہیں۔ ان کی تحریر سنجیدہ اور عالمانہ ہے۔ بزرگوں سے جہاں کہیں بھی اختلاف کیا ہے، شائستگی اور وقار کے ساتھ کیا ہے بلکہ یہ اس کتاب کا طرۂ امتیاز ہے۔'' (''فقہ القرآن''، شہادت و دیت نسواں''، ص ۳۴)

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی وفات پر تعزیتی تحریر سے اقتباس:

''واقعہ یہ ہے کہ اس جدید تعلیم یافتہ نسل پر ذہنی و علمی طور پر مولانا مودودی نے گہرا اور نہایت وسیع اثر ڈالا ہے۔ انھوں نے اس نسل کی صد ہا بے چین روحوں، ذہین اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اسلام سے قریب کرنے بلکہ اس کا گرویدہ بنانے اور اس کے دل و دماغ میں اسلام کا اعتماد و وقار بحال کرنے کی قابل قدر خدمت انجام دی ہے۔ جہاں تک اس تعلیم یافتہ اور ذہین (Intellectual) طبقہ کا تعلق ہے، اس اثر انگیزی میں (اس ربع یا نصف صدی میں) مشکل سے کوئی مسلمان مصنف و مفکر ان کا مقابل و ہمسر ملے گا۔

مولانا مودودی کے بعض خیالات و تحقیقات سے کسی کو کتنا ہی اختلاف ہو (اور خود یہ ناچیز بھی ان لوگوں میں شامل ہے جنھوں نے اس علمی محاسبہ اور تنقید کا فرض انجام دیا ہے)، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی تحریریں اور مضامین مغرب کی تہذیب اور اس کے فلسفہ حیات کے گہرے مطالعہ اور ذاتی واقفیت پر مبنی ہیں۔ انھوں نے ایسے مبصرانہ اور جرات مندانہ انداز میں اس کی تنقید اور اس کے علمی تحلیل و تجزیہ کا فرض انجام دیا ہے جو خود اعتمادی سے بھرپور اور مرعوبیت و سطحیت سے دور ہے۔...... انھوں نے اسلام کے حقائق، اس کے قوانین معاشرت اور اس کے اقتصادی، سیاسی نظام کو اس انداز میں پیش کیا جس میں معذرت و تاویل کا وہ رنگ نہیں تھا جو عرصہ سے ان مسائل پر لکھنے والے دانش وروں اور اہل قلم کے یہاں پایا جاتا تھا، بلکہ انھوں نے بارہا مغربی تہذیب اور اس کے فلسفہ حیات کے بارے میں اقدامی پوزیشن اختیار کی اور خود اس کی بنیادوں اور جڑوں پر تیشہ زنی کی جس کی وجہ سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے بہت سے افراد کا وہ احساس کہتری اور شکست خوردگی دور ہو گیا جو خالص مغربی تعلیم نے ان میں پیدا کر دیا تھا۔''
(پرانے چراغ، جلد دوم، ص ۲۶۵، ۲۶۶)

مولانا ابوالحسن علی ندوی کی وفات پر مولانا محمد تقی عثمانی کے تعزیتی مضمون سے اقتباس:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''جب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب مرحوم نے جماعت اسلامی کی بنیاد ڈالی تو وقت کی ایک اہم ضرورت سمجھ کر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے بھی ان کا ساتھ دیا، لیکن جب ان کے طرز فکر وعمل سے اختلاف سامنے آیا تو حضرت مولانا ان سے الگ تو ہو گئے، لیکن جماعت اسلامی اور مولانا مودودی صاحب کی مخالفت کو اپنا ہدف نہیں بنایا، بلکہ مغربی افکار کی تردید میں انھوں نے جو قابل قدر کام کیا ہے، اس کی تعریف وتوصیف میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔'' (نقوش رفتگان، ص ۴۴۷)

مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ

''ہم مولانا مودودی صاحب کی وسعت نظر، کثرت مطالعہ اور جدید مسائل کو دل نشین اور مدلل طرز میں لکھنے کے امتیازات کی بڑی قدر کرتے ہیں، مگر جن مسائل میں وہ صرف اپنی دھنتے ہیں اور دوسروں کی نہیں سنتے یا کسی غلط فہمی کے تحت دوسروں کو بھی مغالطہ ڈال دیتے ہیں، اس طرز فکر یا انداز تحریر کی داد دینے سے ہم قاصر ہیں''۔ (ملفوظات محدث کشمیری صفحہ ۱۶۱)

''اس ایک صدی کے اندر جو کتب تفاسیر شائع ہوئیں، وہ بڑی حد تک غیر معیاری ہیں۔ تفسیر المنار مصری ہو یا سرسید کی تفسیر ہندی ہو، عنایت اللہ مشرقی کی تفسیر ہو یا مولانا آزاد کی ترجمان القرآن، مولانا عبیداللہ سندھی کی جدید تفسیر ہو یا مولانا مودودی کی تفہیم القرآن، مولانا فراہی کی تفسیر ہو یا مولانا امین احسن اصلاحی کی تدبر قرآن وغیرہ، ان سب میں عمدہ تفسیری مواد کے ساتھ آزادی رائے اور تفردات کے نمونے بھی بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔ ان سب میں سے تفہیم القرآن قابل ترجیح ہے اور جن جن مقامات میں تفاسیر جمہور کے مطابق انہوں نے تشریحات وتقریرات کی ہیں، وہ قابل قدر ہیں۔ لیکن جن جن مقامات پر وہ جمہور مفسرین اور اکابر امت سے الگ ہو کر اپنے تفردات رقم کر گئے ہیں، وہ ظاہر ہے کہ قابل قبول نہیں ہو سکتے''۔ (ملفوظات محدث کشمیری صفحہ ۲۱۷)

مولانا مفتی محمد شفیعؒ

جسٹس (ر) ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن کی تالیف ''مجموعہ قوانین اسلام'' (جلد پنجم) کے پیش لفظ سے اقتباس:

''ملک میں کچھ ایسے افراد بھی موجود ہیں جو طوفانی آندھیوں سے نہیں گھبراتے اور مایوس نہیں ہوتے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اسلامی قوانین کی تدوین نو ہو جانی چاہیے تاکہ کسی وقت ملک میں اس کی تنفیذ مقدر ہو تو وقت زیادہ نہ لگے۔ اس کام کے لیے بعض اداروں نے بھی اپنا ارادہ ظاہر کیا، کچھ افراد نے کام بھی شروع کیا۔ اس ضمن میں سب سے زیادہ جم کر کام کرنے والے ہمارے محترم ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب ایڈووکیٹ ثابت ہوئے۔ انھوں نے مسلمانوں کے شخصی قوانین کی تدوین کا بیڑا اٹھایا اور پانچ جلدوں میں شخصی قوانین مرتب کر دیے۔......

میری نظر میں اس کتاب میں ایک چیز ایسی ہے جس نے اس کی افادیت کو مجروح کر دیا ہے اور ممکن ہے کہ محترم تنزیل الرحمٰن صاحب اس چیز کو اپنی کتاب کا امتیازی وصف قرار دیتے ہوں، مگر میرے نزدیک یہ جدید انداز ریسرچ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نام نہاد تحقیقات جدید کا ترکہ ہے جو غیر شعوری طور پر ان کے مزاج میں دخیل ہو گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس کتاب کے بہت سے مواقع میں ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب نے ائمہ اربعہ کے مذاہب نقل کرنے کے بعد از روئے دلائل ان میں محاکمہ کر کے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کا بیڑا اٹھایا اور متعدد مسائل میں فقہ حنفی کے حکم کو چھوڑ کر کسی دوسرے امام کے مسلک کو اختیار فرمایا ہے......

اس ملک کے مسلمانوں کی بھاری اکثریت حنفی المذہب ہے۔ ان پر فقہ حنفی کا قانون نافذ کرنا تو خود ان کے اپنے مذہب کو نافذ کرنا ہے۔ اس کے خلاف کسی دوسرے مذہب کا کوئی قانون ان پر عائد کرنے کا کسی کو بجز اس خاص صورت کے حق نہیں ہے جس کو فقہا نے وضاحت سے لکھ دیا ہے۔......اس کتاب میں چند مقامات پر اس امر کی خلاف ورزی کی گئی ہے، اس لیے میرے نزدیک وہ نا قابل عمل ہیں اور نہ ان کو پاکستان کے مسلمانوں پر قانون بنا کر تھوپا جا سکتا ہے۔ اور اگر ایسا کیا گیا تو مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ اس کے خلاف احتجاج کریں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس تھوڑی سی تجدد پسندی کو اس کتاب سے الگ کر دیا جائے تو بلاشبہ قانون میراث و وصیت وغیرہ میں یہ کتاب ایک بے نظیر جامع کتاب ہے جس کے لیے ہمیں تنزیل الرحمٰن صاحب کا ممنون ہونا چاہیے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذہن سے اس کانٹے کو بھی نکال دیں تو وہ دور حاضر کے بڑے کارگزار مصنف اور بہترین قانون دان ہو سکتے ہیں جن پر دینی مسائل میں اعتماد کیا جا سکے۔......

آخر میں اس رائے کے اظہار کو ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ مجموعہ قوانین انگریزی زبان میں جلد منتقل ہونا چاہیے تاکہ مستشرقین کی آنکھیں کھل سکیں اور باہر کی دنیا اسلام کے قوانین سے واقف ہو سکے۔''

مولانا محمد اسحاق صدیقی سندیلویؒ

مولانا عمر احمد عثمانی کی تصنیف ''فقہ القرآن'' پر تبصرہ:

''یوں تو ''فقہ القرآن'' کے تمام مباحث علمی اور اعلیٰ پیمانے کے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ ازواجہ واصحابہ وسلم کی ازدواجی زندگی کے متعلق افسانوں کی جس طرح مدلل وضاحت کی گئی ہے، اس کے نتیجے میں آپ اور مولانا طاہر مکی اور ادارہ کے تمام حضرات نے جنت کا سامان مہیا کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان محنتوں کو زیادہ سے زیادہ آگے بڑھائے اور امت کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔'' (فقہ القرآن، ''شہادت و دیت نسواں''، ص ۱۶)

نزول مسیح کے منکر کی تکفیر کے ضمن میں استفسار کا جواب:

''جن احادیث کے متعلق علماء کے درمیان اختلاف ہو کہ بعض کے نزدیک وہ متواتر ہوں اور بعض کے نزدیک متواتر نہ ہوں، ایسے اختلاف کی صورت میں ظاہر ہے پھر وہ حدیث اجماعی نہیں رہتی۔ اس سے واضح ہے کہ جن حضرات کے اختلاف کو امام ابن حزم نے قابل ذکر قرار دے کر نزول مسیح کے مسئلہ کو غیر اجماعی اور اختلافی قرار دیا ہے، ان کے نزدیک یہ مسئلہ متواتر احادیث سے ثابت نہیں۔ اگر ان کی یہ بات کچھ بھی وزن نہ رکھتی تو ان کے اختلاف کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہمیت دے کر مسئلہ کو غیر اجماعی قرار دینے کے بجائے امام ابن حزم ان کو متواتر کا منکر قرار دے کر کافر قرار دیتے اور نزول مسیح کے مسئلہ کو اجماعی بتاتے۔ ...... یہ دعویٰ کرنا کہ یہ آیات نزول مسیح کے متعلق واضح ہیں اور جو نزول مسیح کو نہ مانے، وہ ان آیات قرآنی کا منکر ہے، بالکل غلط بات ہے اور اس بنا پر مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا ابوالکلام آزاد، علامہ اقبال یا ان کے ہم خیالوں کو کافر قرار دینا نہایت مجرمانہ بات ہے۔'' (فتویٰ مشمولہ ''انتظار مہدی و مسیح'' از علامہ تمنا عمادی، ص ۱۵، ۱۸)

مولانا عبید اللہ انورؒ

مولانا عبید اللہ انورؒ کی وفات پر رسالہ ''تدبر'' میں مولانا امین احسن اصلاحی کے تعزیتی شذرہ سے اقتباس:

مولانا میاں محمد اجمل قادری نے اپنے ایک خطبہ میں بتایا کہ جب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا انتقال ہوا تو مولانا عبید اللہ انور ان کے جنازے میں شرکت کے لیے گھر سے روانہ ہوئے۔ میں جنازے پر نہیں جانا چاہ رہا تھا تو حضرت نے فرمایا کہ دیکھو! مولانا مودودی، حضرت لاہوریؒ کے جنازے میں شریک ہوئے تھے اور پہلی صف میں موجود تھے، اس لیے میرا حق بنتا ہے کہ میں ان کے جنازے میں شرکت کروں۔ تم نہ جانا چاہو تو گاڑی سے اتر جاؤ۔ اس کے بعد مولانا عبید اللہ انورؒ نے شیرانوالہ گیٹ لاہور میں اپنی ہفتہ وار مجلس ذکر میں مولانا مودودی کے لیے خصوصی دعائے مغفرت کروائی اور کہا کہ حضرت لاہوری ان سے اختلاف کیا کرتے تھے، لیکن مولانا مودودی نے دین کے لیے جو کام کیا، اپنے فہم کے مطابق نیک نیتی سے کیا۔ (روایت: مولانا ملک عبد الواحد، گوجرانوالہ)

مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ

محمد عمار خان ناصر کی تحریر ''ابا جی اور صوفی صاحب: شخصیت اور فکر و مزاج کے چند نمایاں نقوش'' سے اقتباس:

''وہ عمومی طور پر بھی جمہور اہل علم کے موقف کی سختی کے ساتھ پابندی کرتے تھے۔ ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ کسی بھی علمی یا فقہی مسئلے میں جمہور امت جس رائے کی تائید کریں، وہی اقرب الی الحق اور قرین صواب ہوتی ہے۔ ...... تاہم اس معاملے کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے جسے وہ پورے اعتدال اور توازن کے ساتھ ملحوظ رکھتے تھے۔ وہ اس نکتے کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے کہ بلند فکری اور ذہنی معیار رکھنے والے اہل علم اور محققین بسا اوقات کسی مسئلے میں عام رائے پر اطمینان محسوس نہیں کرتے اور ان کا غور و فکر انھیں معروف اور مانوس نقطہ نظر سے مختلف رجحان اختیار کرنے پر آمادہ کر سکتا ہے، چنانچہ وہ ایسے اہل علم کے لیے جن کی علمی حیثیت مسلم ہو، عام آرا سے اختلاف یا تفرد کا حق بھی پوری طرح تسلیم کرتے تھے، بشرطیکہ اس اختلاف کو علمی حدود میں رکھا جائے اور اس کی وجہ سے جمہور اہل علم پر طعن و تشنیع کا طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔ اپنی کتاب ''سماع الموتی'' میں انھوں نے اپنے اس موقف کی تفصیلاً وضاحت کی ہے۔ لکھتے ہیں: ......

''بلا شبہ ہمارے پیر و مرشد قدس اللہ تعالیٰ سرہ اور حضرت شاہ صاحبؒ اور شیخ الہندؒ اور حضرت نانوتویؒ وغیرہ حضرات نے اپنے علم و تحقیق کی بنا پر اپنے تفردات کو بھی لیا ہے، مگر یقین جانیے کہ نہ تو انھوں نے جمہور کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زنبور کہا ہے اور نہ ان کا مذاق اڑایا ہے اور نہ انھوں نے یہ فرمایا ہے کہ علماء حق کے ہاں جمہور کی حیثیت کیا ہے؟'' (ص ۶۴)

وفات سے چند ماہ قبل کی بات ہے کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گفتگو کے دوران میں، میں نے کہا کہ آپ علمی مسائل میں جمہور کی رائے کی پابندی پر بہت اصرار کرتے ہیں، لیکن بہت سے اکابر اہل علم، مثلاً امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ہاں متعدد مسائل میں عام موقف سے ہٹ کر رائے پیش کرنے کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ (امام ابن تیمیہ کی ایسی آرا کی تعداد تین درجن کے قریب شمار کی گئی ہے) کیا یہ حضرات جمہور کی رائے کی اہمیت سے واقف نہیں تھے اور کیا ان کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنی منفرد رائے قائم کریں؟ انھوں نے فرمایا، ہاں۔ میں نے پوچھا کہ کیا ایسا کرنے سے وہ گمراہی کا ارتکاب کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا، نہیں۔ میں نے کہا کہ کیا ایسا کرنے کے باوجود وہ اہل سنت کے دائرے میں ہی رہتے ہیں؟ انھوں نے کہا، ہاں۔ ابا جی نے اپنی تصانیف میں بھی امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ذکر ہر جگہ نہایت ادب واحترام سے ''امام'' اور ''شیخ الاسلام'' وغیرہ کے القاب کے ساتھ کیا ہے۔......

جمہور سے ہٹ کر منفرد آرا قائم کرنے والے کم وبیش سبھی اہل علم کے بارے میں ان کے ہاں یہی رویہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ مثال کے طور پر مشہور مورخ ابن خلدونؒ نے تاریخی زاویے سے حضرت آدم کا قد ساٹھ ہاتھ ہونے کی روایت اور امام مہدی کے ظہور سے متعلق روایات پر تنقید کی ہے جو محدثین کے ہاں مستند سمجھی جاتی ہیں۔ اس کے باوجود ابا جی نے ہر جگہ ان کا ذکر ''علامہ'' اور ''مورخ اسلام'' کے القاب سے کیا ہے۔ تسکین الصدور میں ابن حزمؒ کی جمہور سے بالکل ہٹی ہوئی ایک رائے بیان کرتے ہوئے اور اسے ''غلط نظریہ'' قرار دیتے ہوئے بھی انھوں نے ان کے لیے ''علامہ'' کا لقب استعمال کیا ہے۔ نواب صدیق حسن خانؒ کے ہاں مشرک کے ذبیحہ کے حلال ہونے، چار سے زائد عورتوں سے نکاح کے جواز اور نکاح متعہ کی حلت جیسے بہت سے تفردات پائے جاتے ہیں، لیکن ابا جی نے اپنی تصانیف میں بے شمار جگہ پر ان کی آرا کا حوالہ دیا ہے اور صرف الزامی بحثوں میں نہیں، بلکہ خالص تحقیقی امور میں بھی ان کی رائے سے استناد کیا ہے۔...... مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی منفرد تفسیری آرا اور رجحانات بھی کسی سے مخفی نہیں، لیکن ابا جی نے ان کا ذکر بھی ''حضرت مولانا امین احسن اصلاحی'' کے الفاظ سے کیا ہے۔......

میں نے ایک مرتبہ ان سے پوچھا کہ کیا صوفیا کا تصور وحدت الوجود قرآن وسنت کے مطابق ہے؟ انھوں نے کہا: ''کھینچ تان کر ہی مطابق بنایا جاتا ہے''، لیکن اس تصور کے سب سے بڑے ترجمان امام محی الدین ابن عربیؒ کا ذکر انھوں نے اپنی تصانیف میں بے حد احترام کے ساتھ کیا ہے۔ ایک دوسرے موقع پر اس نوعیت کی بعض تعبیرات کے تناظر میں میرے استفسار کے جواب میں انھوں نے فرمایا کہ ہمارا طریقہ بحمد اللہ اعتدال کا طریقہ ہے۔ ہم نہ اہل بدعت کی طرح اکابر کی غلطیوں کو مذہب اور مسلک بناتے ہیں اور نہ غیر مقلدین کی طرح انھیں طعن وتشنیع کا ہدف بناتے ہیں۔'' (الشریعہ، جولائی تا اکتوبر ۲۰۰۹ء، ص ۵۰۵ تا ۵۰۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا صوفی عبدالحمید سواتیؒ

سید مشتاق علی شاہ کے مضمون ''حضرات شیخین کی چند مجالس کا تذکرہ'' سے اقتباس:

''میں نے حضرت صوفی صاحب سے پوچھا کہ یتیمۃ البیان میں مولانا یوسف بنوریؒ نے مولانا ابوالکلام آزاد کو ملحد اور زندیق لکھا ہے۔ فرمایا کہ یہ زیادتی ہے۔ اسی طرح مولانا ادریس کاندھلویؒ نے عین اس وقت جب مسلم لیگ اور کانگریس کی سیاسی کشمکش چل رہی تھی، مولانا آزاد کی تفسیر پر تنقید شائع کر کے زیادتی کی۔......

حضرت درس قرآن کے لیے جن کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے، ان میں مودودی صاحب کی تفہیم القرآن اور پرویز صاحب کی مفہوم القرآن وغیرہ بھی شامل تھیں۔ میں نے حضرت سے ان کتابوں کے مطالعے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ عوام کو تو ہم منع کرتے ہیں، لیکن اہل علم کو، جو صحیح اور غلط بات کا فرق سمجھتے ہیں، ان کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ فرمایا کہ ان میں بھی بعض اوقات ایسی کام کی باتیں مل جاتی ہیں جو دوسری کتابوں میں نہیں ملتیں۔''

(www.sarfarazsafdar.org)

مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ

جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن کی تصنیف ''مجموعہ قوانین اسلام'' پر تبصرے سے اقتباس:

''مولف نے اصل کتاب کو شروع کرنے سے پہلے دس رہنما اصول بیان کیے ہیں جن کی پابندی مجموعہ قوانین کی ترتیب و تالیف، بحث و تنقیح اور تجزیہ و ترجیح میں مولف نے اپنے بیان اور مبلغ کی ہے اور وہ حسب ذیل ہیں:......

۸۔ اگر زمانہ سابق کا تعامل زمانہ حال کے تقاضوں کے مطابق نہ ہو تو ''مصلحت عامہ'' (جو قرآن وسنت کے احکام کے مغائر نہ ہو) کے اصول پر عمل پیرا ہو کر مختلف مکاتیب فکر میں سے جس کے ساتھ حق نظر آئے، اس کی رائے کو ترجیح دینا اور اسی کو اختیار کرنا۔

۹۔ اگر کسی مسئلہ میں نص موجود نہ ہو اور کسی بھی مکتب فکر کی رائے کا اتباع بوجوہ معقول بالخصوص مصلحت عامہ کے نقطہ نظر سے (جو قرآن وسنت کے احکام کے مطابق ہو) قابل قبول نہ ہو تو ضروری اجتہاد سے کام لینا۔

۱۰۔ اجتہاد میں قرآن وسنت کی متابعت اور ادلہ شرعیہ کی پابندی کرنا۔

واضح ہو کہ مولف نے جو یہ دس رہنما اصول بیان کیے ہیں، ان میں صحت میں تو کبھی دو رائے ہی ہو نہیں ہو سکتیں۔ یہ سب متفقہ طور پر مسلم ہیں۔......

یاد رکھیے کہ ادارۂ بینات کا نظریہ اس کاوش کے بارے میں تخریبی ہرگز نہیں ہے، بلکہ تعمیری ہے۔ اسی لیے وہ رہنما اصول کے بارے میں مذکورہ بالا جزوی اختلاف یا مسائل مندرجہ میں آنے والے چند اختلافات کے باوجود مولف جناب تنزیل الرحمٰن صاحب کی اس تالیف مجموعہ اسلامی قوانین کے نقش اول کو نہایت فراخ دلی سے خوش آمدید کہتا ہے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور کتاب کا ایک ایک لفظ پڑھ کر اور ماخذ (کتب حوالہ) کی مراجعت اور کافی غور وخوض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بعد چند متفرق مسائل میں کوتاہیوں، غلط فہمیوں یا اغلاط کی مدلل نشان دہی صرف اس توقع پر کرتا ہے کہ

ع نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول

......صغیر سنی کی شادی یعنی باپ کے اپنی نابالغ اولاد کی شادی کر دینے کے خلاف قانون اور مروجہ عائلی قوانین کے تحت قابل سزا جرم ہونے کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: یہ امر کہ صغر سنی کی شادیوں کو پاکستان میں ممنوع قرار دیا گیا ہے، ایک سماجی مسئلہ ہے اور اس مسئلہ کو خالص مذہبی انداز میں سوچنے کے بجائے سماجی اور معاشرتی پہلو سے بھی سوچنا اور غور کرنا چاہیے۔

ہمیں حیرت ہے کہ مولف مجموعہ قوانین اسلام کے اندر کسی مسئلہ کو سماجی یا معاشرتی پہلو سے سوچنے اور اس کے حل کرنے کی دعوت رہے ہیں اور مسئلہ بھی ایسا کہ خود ان کے اختیار کردہ رہنما اصول کے تحت نہ صرف کتاب وسنت بلکہ اجماع امت بلکہ اجماع صحابہ بھی اس پر موجود ہے۔......

طلاق ثلاث کے مسئلہ میں اس وقت صرف اس قدر عرض ہے کہ وہ حدیث جس سے آپ حضرات استفادہ کرتے ہیں، اس میں **فامضاہ عمر علیھم** کے الفاظ ہیں جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ تین مرتبہ طلاق دینے کی صورت میں تین طلاقوں کا واقع ہونا عہد رسالت میں بھی تھا، البتہ بعض احوال میں ...... کہنے والے کے یقین دلانے پر کہ اس کی مراد بار بار کہنے سے تاکید ہے،......اس کے حلفیہ بیان کو صحیح اور اس طلاق کو ایک سمجھ لیا جاتا تھا۔ بعد میں حضرت عمر نے جب دیکھا کہ لوگوں نے اس کو حیلہ بنا لیا ہے کہ تین طلاقیں دیتے ہیں، پھر بعد میں کہہ دیتے ہیں کہ ہماری مراد تو ایک طلاق تھی تو انھوں نے عہد رسالت کے اصل حکم کو ہی نافذ کر دیا۔......

مولف نے تعدد ازواج پر بحث کی ہے۔ بحث میں مولف کوئی خاص چیز پیش نہ کر سکے۔ وہی پرانے دلائل جو عائلی قوانین کے حامیوں کی طرف سے پیش کیے جاتے ہیں، مولف کا بھی سرمایہ ہیں۔ سید رشید رضا اور مفتی محمد عبدہ کے اقوال وآرا ان کی بحث وتنقیح کا خلاصہ ہیں۔ بھلا قرآن کریم، حدیث نبوی اور اجماع امت کے ہوتے ہوئے ان حضرات کے دلائل کیا وزن رکھتے ہیں۔ وہی مصالح کا عذر اور ارباب اقتدار اور قانون ساز اداروں کو اس نوع کے اختیارات دینے کا اعادہ کیا گیا ہے۔......

مولف نے تفصیلی بحث کی ہے اور ائمہ اربعہ کے مختلف نقطہ ہائے نظر کو بڑی تفصیل سے پیش کیا ہے۔ آخر میں ائمہ مجتہدین اور فقہاء کرام کے موقف کی تغلیط کرتے ہوئے فرماتے ہیں "لیکن اس تفریق اور تقیید کے لیے از روئے قرآن یا سنت نبوی یا آثار صحابہ میں کوئی صریح نص موجود نہیں ہے۔" (ص ۲۳۷)

امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ باپ کا کیا ہوا نکاح قابل فسخ نہیں ہے اور اس میں لڑکی کو خیار حاصل نہیں ہوگا۔ ائمہ اربعہ کا متفقہ مسلک ہے اور یاد رکھیے، ائمہ اربعہ کا جب کسی مسئلہ پر اتفاق ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جمہور صحابہ اور جمہور تابعین میں اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور امت کا تعامل وتوارث اس پر برابر چلا آ رہا ہے۔ ائمہ اربعہ کے اتفاق واجماع کی پوری اہمیت غالباً مولف کے ذہن میں نہیں ہے۔......

ان چند اختلافات اور شکوہ وشکایت کے باوجود ہم مولف اور تالیف کے بارے میں مجموعی طور پر اپنی رائے کا اظہار

© rasailojaraid.com